پاکستان کی علاقائی زبانوں میں اسلامی نصابی کتب

طارق رحمٰن

تعارف

قدیم اور بنیادی اسلامی کتب کی زبان عربی ہی ہے۔ اسی لئے جنوبی ایشیا کے مدارس میں پڑھائی جانے والی کتب عربی میں تھیں اور اب تک ہیں۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیت ہے کہ برصغیر جنوبی ایشیا کے مدارس میں رائج کتب کا بڑا حصہ فارسی میں تھا۔ یہ صورت حال اب بھی برقرار ہے۔ قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں فارسی کو دفتری زبان کا درجہ حاصل تھا اور طبقہ اشرافیہ بھی یہی زبان بولتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان عربی کتب کی شرح اکثر فارسی میں کی جاتی رہی۔ یہ رجحان کسی حد تک اب بھی برقرار ہے[1]۔ تاہم اس بات کی صداقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عربی اور فارسی یہاں کی مقامی زبانیں نہیں تھیں اس لئے عام افراد کی سمجھ سے بھی وہ ماورا تھیں بلکہ زیادہ درست بات تو یہ محسوس ہوتی ہے کہ عام افراد تو کجا اکثر تعلیم یافتہ افراد بھی ان قدیم زبانوں میں اتنی دسترس نہیں رکھتے تھے کہ وہ ان سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔

اس کے برعکس صوفیاء کرام نے جن کا مطمع نظر عوام کے جذبات سے براہ راست ہم آہنگ ہونا تھا نے یہاں کے باسیوں کی مادری زبان میں شاعری کی[2]۔ رجعت پرست حضرات گو کافی عرصہ تک اعلیٰ طبقہ کی مخصوص کلاسیکل اسلامی زبانوں میں لکھتے رہے تاہم معلوم یوں ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی میں بلکہ شاید بعض صورتوں میں اس سے بھی قبل انہی رجعت پرست ''علماء'' نے ایک تحریک برپا کی کہ ایک عام فرد کے استفادہ کے لئے اسلامی لٹریچر کو لوگوں کی مادری زبان میں شائع کیا جائے۔ اپنی طرز میں یہ کوئی بہت زوردار، سوچی سمجھی یا کسی خاص مرکزی نظام سے کنٹرول کی جانے والی تحریک نہیں تھی بلکہ دیکھا جائے تو اس بات کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ تمام یا پھر بعض صورتوں میں وہ مصنفین جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ اس تحریک کو پروان چڑھایا ایک دوسرے سے شناسا تھے یا پھر اس بات کی آگاہی رکھتے تھے کہ وہ سب ایک مشترکہ مقصد کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ تاہم انہوں نے اپنے اسلاف کے لئے نصابی کتب کی صورت میں ایک ایسا ورثہ چھوڑ دیا جسے پڑھے لکھے افراد غالباً اپنے جاننے والوں اور پڑوسیوں کو پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے۔

مضمون ہذا میں انہیں میں سے چند ایک کتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس بات کو بیان کر دینے میں شاید کوئی باک نہیں ہوگا کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ قلمی نسخوں یا شائع شدہ کتب پر معروف معنی میں کوئی مضمون نہیں

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں محض چند نمائندہ نمونوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مقصد محض یہ بیان کرنا ہے کہ انگریزوں کی جانب سے تعلیم کے عام فروغ سے قبل یہاں کے لوگوں کو پاکستان کی کن کن مقامی زبانوں میں درسی مواد میسر تھا۔

کہا جاتا ہے کہ علماء کرام نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اس غرض سے مذہبی موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں کہ عوام میں اسلامی شناخت اور پہچان کو مضبوط کیا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کا ایک طریقہ یہ تھا کہ قدیم اور دور دراز کی اجنبی زبانوں یعنی عربی اور فارسی کی بجائے لوگوں کو ان کی اپنی مادری زبان میں اسلامی نظریہ حیات کو فروغ دیا جائے جیسا کہ دوسرے صاحب نظر افراد نے اردو پر اپنی تحقیق میں اس نقطہ کو اٹھایا ہے[۳] اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ زبان کسی بھی لحاظ سے زیر بحث دور (اٹھارویں سے بیسویں صدی کی ابتداء) کے ان علاقوں کی مادری زبان نہیں تھی جن پر آج پاکستان مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضمون میں سندھی، پشتو، پنجابی، بلوچی اور براہوی میں ہونے والے کاموں پر توجہ مرکوز رکھی گئی ہے۔ اسی طرح اس میں شاعری، چاہے وہ افسانوی داستانوں کی شکل میں ہو یا اس کی دوسری ذیلی قسموں میں اسے صوفیاء کرام نے رقم انداز کیا ہو یا پھر وہ تصوف کے رنگ میں تشریح کئے جانے کی لائق ہو اسے اس مضمون میں مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے چونکہ اس پر اس سے قبل کئی لوگ کام کر چکے ہیں اور ان کی بیاض بھی تیار کی جا چکی ہے[۴]۔

جن شائع شدہ کتب کو اس مضمون میں تبصرہ کے لئے منتخب کیا ہے ہنوے اور ناصر نے انہیں اور اس طرز کی کتابوں کی اشاعت کے متعلق اپنے ایک انتہائی اعلیٰ باب میں ''چھاپ بکس'' کا نام دیا ہے[۵]۔ یہ اصطلاح دراصل یورپ سے درآمد کی گئی ہے جہاں سولھویں صدی اور اس کے مآبعد دور میں پھیری لگانے والے عام افراد کے لئے ایسی کتابیں بیچتے تھے۔ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ان کتابوں کا نام پھیری کتابیں پڑ گیا۔ تاہم یہ یاد رہے کہ ہنوے اور ناصر نے یہ اصطلاح شائع شدہ یورپی اور مشہور پاکستانی کتب کے لئے استعمال کی ہے۔[۶] اس مضمون میں کئی ایک نسخوں کو زیر بحث لایا گیا ہے البتہ شائع شدہ کتب کے بجائے قلمی نسخوں پر خاص طور سے توجہ مرکوز رکھی گئی ہے۔ ان نسخوں میں سے بعض کو بعد میں اشاعت کے مراحل سے بھی گذارا گیا ہے تاکہ دونوں میں اپنے مضامین کے اعتبار سے ایک تسلسل برقرار رہے۔ یہاں یہ نقطہ بھی پیش نظر رہے کہ چونکہ ان نسخوں کی دستیابی ایک دقت طلب کام ہے اس لئے شائع شدہ کتب کی نسبت ان پر کہیں زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن زبانوں جیسے براہوی اور بلوچی میں قلمی نسخے دستیاب نہیں ہیں وہاں بالامر مجبوری شائع کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جو حضرات ان زبانوں میں شائع شدہ کتب کو پڑھنے کے خواہشمند ہیں وہ 'پھیری کتابوں' پر ہنوے اور ناصر کی مرتب کردہ شاندار اور پاکستان کی دوسری کتابیات[۷] سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اسی طرح لوک ورثہ کے ادارے اور دیگر لائبریریوں سے انہیں بے شمار کتب مل

سکتی ہیں۔

سندھی

سولھویں صدی عیسوی میں ضلع دادو سندھ کے باسی مخدوم جعفر کی کتاب ''نہج التعلیم'' منظر عام پر آئی جو غالباً عربی زبان میں تھی۔ تعلیم کے موضوع پر مبنی اس کتاب کی مخدوم جعفر نے ۱۵۶۸ء میں فارسی زبان میں تلخیص تیار کی۔ یہ تلخیص شدہ کتاب اب بھی دستیاب ہے جس کی نبی بخش بلوچ نے ۱۹۶۹ء میں تدوین کر کے خلاصہ شائع کیا۔ اس خلاصہ کے مطالعہ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ مخدوم جعفر نے اپنی تصنیف میں اساتذہ اور متن سے زیادہ طلبہ کو اپنا ہدف بنایا۔ یہاں یہ کہنا تو مشکل ہوگا کہ اسے جدید دور میں رائج تدریسی طریقہ ہائے کار کا نقطہ آغاز قرار دیا جائے جس میں طلباء کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ تاہم اگر بلوچ کے نقطہ نظر کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب کی اشاعت مادری زبان میں تدریس کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے جسے طلباء سمجھ سکتے تھے۔

اس زمانے میں گو تعلیم تو فارسی زبان میں ہی دی جاتی تھی البتہ یہ گمان کر لینا بے جا نہ ہوگا کہ چھوٹے بچوں کو فارسی ہجے اور الفاظ معانی سمجھانے کے لئے اساتذہ عموماً مادری زبان کا ہی سہارا لیتے تھے۔ بس بنیادی فرق یہ ہے کہ سندھی کو ایک ضمنی تدریسی میڈیم کے واسطہ کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں کے دور زوال کے آخری حصہ اور کلہوڑوں اور تالپوروں (۱۶۸۰ء یا ۱۸۴۳ء) کے دور میں سندھی میں کئی ایک نصابی کتب خاص طور پر مذہبی نوعیت کی کتب لکھی گئیں۔

اس ضمن میں تیرھویں صدی ہجری (اکتوبر ۱۷۸۶ء) میں لکھی جانے والی عبدالرحمٰن کی کتاب ''قواعد القرآن'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی درستگی کے حوالے سے مسلمان ہمیشہ سے بڑے محتاط رہے ہیں کیونکہ الفاظ کی غلط ادائیگی سے اس کے معانی بگڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ کتاب کو تصنیف کرتے ہوئے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ دینی ضرورت کی بناء پر الفاظ کی ادائیگی کا جو قدیم عربی زبان کا معیار یا کسوٹی رہی ہے اسے برقرار رکھا جا سکے۔ تاہم کتاب کو اپنے غیر سائنسی اندازِ فکر کے باوجود تجوید اور مخارج پر ایک مقالہ کا درجہ حاصل ہے۔ مصنف ان عربی الفاظ کے مقام اور ادائیگی کے بارے میں بحث کرتا ہے جو سندھی زبان میں نہیں پائے جاتے۔ یوں یہ سندھی زبان میں مخارج کے موضوع پر بالکل ابتدائی یا پھر شاید پہلی کتاب قرار پائی ہے۔

انڈیا آفس لائبریری میں موجود اپنی تصنیف پنجابی اور سندھی قلمی نسخوں کی جدول بندی میں کرسٹوفر شیکل [۸] نے ۱۶ سندھی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے سب سے مشہور ٹھٹھہ کے عبدالحسن (۱۶۱۶ء۔۱۶۸۸ء) کا نسخہ

ہے۔ ان میں سے ایک ابوالحسن جی سندھی کا نسخہ بھی ہے جس کا ایلس نے اپنی رپورٹ میں ذکر کیا ہے جو اس نے ۱۸۴۳ء[9] میں برطانوی قبضہ کے موقع پر سندھ میں تعلیم کی صورت حال پر لکھی۔ اس کتاب کو کچھ عرصہ قبل خدیجہ بلوچ نے دوبارہ ایڈٹ کر کے چھاپا ہے۔ دوسری بہت ساری کتابوں کی طرح اس کتاب کا مقصد بھی اسلام کے بنیادی عقائد، اصولوں اور عبادات کو لوگوں کے لئے عام فہم انداز میں پیش کرنا تھا۔[10]

اسی طرح کی ایک دوسری کتاب کے مصنف مخدوم ضیاء الدین تھے۔ اپنے پیشرو کی طرح یہ کتاب بھی اپنے مصنف کے نام پر یعنی مخدوم ضیاء الدین جی سندھی کے نام پر معروف ہوئی۔ کتاب کی تصنیف کا زمانہ اٹھارویں صدی ہے اور اس میں اس سوال کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ پانچ وقتوں کی نماز کو کیسے ادا کیا جائے۔ مقصد چونکہ بچوں کو رہنمائی فراہم کرنا ہے اس لئے عملی پہلوؤں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں قدیم سندھی مسلمانوں کے ستاروں پر اعتقادات کو بھی بیان کیا گیا ہے جبکہ سیاروں، ستاروں اور ان کی آسمانوں پر پوزیشن وغیرہ کے بارے میں بھی حوالے ملتے ہیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں آج بھی ستارہ شناسوں اور منجموں کے علم اور تصور حیات کا ایک حصہ ہیں جو پاکستان اور دوسرے مقامات پر اس علم کے ذریعے لوگوں سے پیسہ بٹورتے ہیں جو مشکلات اور مصیبتوں سے چھٹکارہ کے لئے ان کے پاس چلے آتے ہیں۔ بہرحال کتاب چونکہ مذہبی موضوع پر ہے اس لئے اس کے بڑے حصہ میں مذہبی عبادات کو ہی بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح کی دوسری کتب بھی پائی جاتی ہیں جو مختلف لائبریریوں اور سندھ اور سندھ سے باہر لوگوں کی ذاتی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں نور نامہ، معراج نامہ، مناجات نامہ، حشر نامہ اور قیامت نامہ وغیرہ کے مختلف نسخے شامل ہیں جن میں سے بعض کا بلوم ہرٹ[11] نے بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح نبی بخش بلوچ[12] نے بھی اپنی حالیہ تصنیف ''سندھی بولی جو آگاہو منظوم ذخیرو'' میں بھی کئی ایک کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب کتابیں بہرحال مذہبی اور ناصحانہ ہیں۔ یہاں دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ صرف سندھی ہی میں نہیں بلکہ دوسری تمام زبانوں میں بھی نور ناموں کے تمام نسخے روحانی بالیدگی کے متعلق ہیں جو عقیدہ سے جنم لیتی ہے۔ جبکہ دوسری کتب میں قیامت اور اس طرح کے دوسرے اعتقادات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ہم جس تناظر میں بات کر رہے ہیں اس میں اہم بات یہ ہے کہ یہ نسخے سندھی میں تھے اور ان کی ایک باضابطہ طریقہ کار کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ مشہور انگریز ماہر علوم مشرق، مترجم اور محقق رچرڈ برٹن (۱۸۲۱ء-۱۸۹۰ء) سندھ پر اپنی تعلیمی رپورٹ میں لکھتا ہے:[13]

> ایک بچہ جب غالباً نو سال کا ہوتا ہے وہ اسے اپنی مادری زبان سندھی کی تعلیم کے لئے اگلے درجہ میں ترقی دی جاتی ہے جس کا نصاب درج ذیل ہوتا ہے۔

درجہ اول: نورنامو، یہ ایک مختصر اور آسان مذہبی کتابچہ ہے جس میں انسانی تخلیق کے عمل سے پہلے عام چیزوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کتابچہ کے مصنف عبدالرحیم ہیں جنہوں نے غالباً حدیث رسولؐ کی مدد سے اسے تیار کیا۔

درجہ دوم: مخدوم ہاشم کی کتب کی تدریس جن کا آغاز تفسیر قرآن حکیم سے ہوتا ہے۔

درجہ سوم: نظم اور نثر میں کہانیاں جیسے سیف الملوک، لیلہ مجنوں کی داستان ان سب میں مشہور کتاب ایک سندھی ملا عبدالحکیم کی کتاب بعنوان ''حکایات الصالحین'' ہے جسے انہوں نے عربی سے ترجمہ کیا۔ اس میں حیات، مہم جوئی اور اسلامی تاریخ کے عروج کے زمانہ کے معتبر ترین صوفیاء کرام کے اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ ''رادانو'' میں محمدؐ کے وصال کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور اسے میاں عبداللہ کی کتاب حبیب السیدؐ سے ترجمہ کیا گیا ہے جبکہ ''معراج نامو'' میں نبی پاکؐ کے سفر معراج کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسی طرح ''سومسئلہ'' یا دوسرے الفاظ میں ایک سو مسائل کسی شخص اسماعیل کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک فقیر عبدالحلیم نے شہنشاہ روم کی بیٹی سے ان سو سوالات کا درست جواب دے کر شادی کی جن کے ذریعہ وہ اپنے کئی چاہنے والوں کو الجھن میں ڈال دیتی۔ اس نے شرط لگا رکھی تھی کہ وہ صرف اس شخص سے شادی کرے گی جو ان سوالات کا درست جواب دے دے گا۔[۱۴]

یوں نو سے تیرہ سال کی عمر تک جو تقریباً چار سال کا عرصہ بنتا ہے طالب علم اپنی مادری زبان میں ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے جس کے بعد ہی وہ فارسی میں اپنے مطالعہ کا آغاز کرتا ہے جبکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ باقی ہندوستان میں بچہ کو بالکل ابتداء سے ہی فارسی میں تعلیم دی جاتی۔ یہ الگ بات ہے کہ اساتذہ کرام کو اسے بنیادی الفاظ معانی، الفاظ کے ہجے سازی کرانے اور لکھائی کی صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لئے غیر رسمی طور پر مادری زبان کا ہی سہارہ لینا پڑتا۔ برٹن کے نزدیک سندھی زبان میں ان کتب کی تدریس فی الاصل سندھی زبان ہی کی تعلیم کی غرض سے تھی۔ تاہم یہ خیال اپنی جگہ درست محسوس نہیں ہوتا کیونکہ مادری زبان میں تعلیم کی غرض کے پیچھے اصل مقصد بچے تک دینی تعلیم کو زیادہ بہتر اور قابل فہم طریقہ سے پہنچایا جانا تھا۔ اس طریقہ تدریس سے متاثر ہو کر شمالی ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں بھی لٹریچر سامنے آنا شروع ہو گیا۔ البتہ ان کی تعلیم میں وہ ایک باقاعدہ قاعدہ کلیہ نظر نہیں آتا جو سندھی کا خاصہ تھا۔

پشتو

پشتو بولنے والے علاقوں میں غالباً سولھویں صدی سے ہی مادری زبان میں کتب دستیاب تھیں۔ راقم الحروف نے بذات خود برٹش لائبریری [15]، پشتو اکیڈمی پشاور اور اسلام آباد میں واقع قومی ادارہ برائے لوک ورثہ میں کئی ایک ایسی کتب ملاحظہ کی ہیں لیکن بدقسمتی سے مجھے ہندوستان [16] اور دوسرے ممالک میں ایسا کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔

ذیل میں جو کچھ مختصراً بیان کیا گیا ہے اس کی بنیاد مختلف آرکائیوز اور لائبریریوں میں میسر نسخے ہیں۔ برٹش آفس کی لائبریریوں میں ۱۷۰ نسخے موجود ہیں جن میں سے ۶۹ برٹش میوزیم اور ۶۰ برٹش آفس کے اورینٹل اینڈ انڈیا آفس کے ذخیرہ میں دستیاب ہیں۔ یہ پشتو اکیڈمی پشاور اور ادارہ لوک ورثہ، اسلام آباد میں موجود نسخوں سے کہیں بڑی تعداد ہے جن تک مصنف کی رسائی ممکن ہو سکی ہے۔ ذیل میں ان کتابوں کی فہرست دی جارہی ہے جو عام افراد ذاتی حیثیت میں پڑھتے تھے یا پھر ان کی مدارس میں تعلیم دی جاتی تھی۔

خیر البیان:

یہ پشتو زبان میں اولین کتاب ہے جسے بایزید انصاری (۹۳۲/۱۵۲۶-۹۸۲/۱۵۷۴) جسے اس کے پیروکار پیر روشن بھی کہتے تھے نے تحریر کیا۔ طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد بخشی کے مطابق بایزید کسی پشتو بولنے والے علاقے میں پیدا نہیں ہوا۔ اس کے مطابق ''قدیم زمانے میں ایک ہندوستانی سپاہی افغانوں میں آ کر آباد ہو گیا اور اس نے ایک لادینی فرقہ بنا دیا۔ اس نے کئی بیوقوف لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنا مرید بنا لیا اور اپنے لئے پیر روشن کا لقب چن لیا۔''[17]

تاہم پیر روشن کی کتاب خط نستعلیق میں ہے'' جسے بجائے خود چودھویں صدی کے دوسرے نصف میں ایک نئی اور الگ قسم کے طور پر تسلیم کر لیا گیا''[18]۔ حالیہ دور کے مصنفین نے اسے نصابی کتب کے درجہ میں شمار کیا ہے[19]۔ اس میں بنیادی اسلامی تعلیمات پر ایسے حصے موجود ہیں جن کی بنیاد پر یہ ممکن ہے کہ وہ مدارس کے نصاب کا حصہ رہی ہو۔ البتہ اخوند درویزہ بایزید کی بعض آراء کو قابل اعتراض اور بعض کو بالکل خارج الاسلام سمجھتا تھا جس کا اس نے اپنی کتاب ''مخزن الاسلام''[20] (۱۰۴۸/۹-۱۶۳۸) میں جواب بھی دیا ہے۔

مخزن السلام:۔

مخزن عربی میں دینی کتب کا مجموعہ ہے جس کا پشتو میں ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے۔ کتاب کا دیباچہ البتہ

فارسی میں ہے جس میں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ اس کتاب کے ذریعہ افغانوں کو اسلامی عقائد کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ مزید دعویٰ کرتا ہے کہ بایزید نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور وہ پیر روشن نہیں بلکہ پیر سیاہ ہے۔

ابتداء میں وہ اس پر ہیبت کائنات کی حقیقت کے بارے میں مختصراً بیان کرتا ہے جس کے بعد وہ اسلامی عقائد کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ اخوند دروازہ درحقیقت ایک مسلمان مصلح تھا جس کو محسوس ہوا کہ اس کا سنی اسلام روشنیہ تحریک کے مقابلے میں خطرہ سے دوچار ہے۔ اپنی ایک دوسری کتاب ''تذکیرۃ الابرار والاشرار'' میں اس نے افغان معاشرہ کی خرابیوں کا بنظر غائر جائزہ لیا[۲۱]۔ اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ مدارس اور گھروں دونوں میں بیک وقت پڑھائی جاتی تھی۔ جبکہ پڑھے لکھے لوگ ان پڑھ لوگوں کو سنایا بھی کرتے تھے۔ کتاب کا آغاز عربی میں ہوتا ہے جس کے بعد مصنف فارسی اور آخر میں پشتو زبان پر اختتام کرتا ہے۔

راشدالبیان:

ایک دوسری کتاب جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عام اور خاص طور پر خواتین کے نصاب کا حصہ تھی ملا عبدالرشید کی تصنیف کردہ کتاب راشدالبیان ہے جو ۱۱۲۴/۱۲/۱۷۱۲ میں لکھی گئی۔ مصنف کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ملتان سے تعلق رکھتے تھے اور بعد میں لنگر کوٹ آ کر آباد ہو گئے۔ کتاب میں شاعری میں وعظ و نصیحت کی ہے جسے خواتین گھروں میں پڑھا کرتیں۔ اس شاعری کی ایک جھلک درج ذیل شعر میں نظر آ جاتی ہے جس میں خالق کائنات کی ہستی کو یوں بیان کیا گیا ہے: ''اس ذات میں نہ کوئی نقص ہے اور نہ ہی اس کی خصوصیات میں کوئی خرابی''۔

فوائدالشریعہ:

ایک دوسرے نسخہ کا نام فوائد الشریعہ ہے۔ اس کے مصنف محمد قاسم نبی ہیں اور ۱۱۲۴/۱۲/۱۷۱۲ میں لکھی گئی۔ محمد قاسم، اخوند دروازہ کے پیروکار تھے اور انہوں نے اپنی کتاب کے پہلے دو صفحات میں اپنے مرشد کی خوب دل کھول کر تعریف کی ہے۔ کتاب کے ذیلی عنوانات سرخ روشنائی میں فارسی زبان میں ہیں جبکہ متن پشتو نسخ میں۔ بعض جگہ مخصوص پشتو حروف بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عبادات جیسے عقیدہ، شریعت، عورتوں کی ماہواری، طہارت اور نماز وغیرہ کتاب کے موضوعات میں شامل ہیں۔ بعض مقامات پر یہ تحریر بڑی گنجلک اور پیچیدہ بن جاتی ہے جبکہ کتاب کا اختتام عربی اشعار سے ہوتا ہے جس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مصنف عربی اور فارسی دونوں کا علم رکھتا تھا۔

کتاب باباجان:

۱۱۷۴/۱۷۶۰ میں پشتو نسخ میں مذہبی تعلیمات پر لکھا گیا ایک مختصر خلاصہ ہے۔

جنت الفردوس:

اسلامی عبادات کے فوائد پر اس کتاب کے مصنف حافظ عبدالکبیر ہیں اور یہ اٹھارویں صدی میں لکھی گئی۔ برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے جس پر ۱۲۲۴/۱۸۰۹ کی تاریخ درج ہے۔

نافع المسلمین:

یہ مثنوی کی صنف میں لکھا گیا صوفیانہ کلام ہے جس میں رہبانیت، اسلامی عبادات اور اخلاقی رویوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مصنف شیخ گدا اپنے آپ کو عبدالرحمٰن بابا کا شاگرد گردانتا ہے جن کا زمانہ ۱۱۷۳/ ۶۰-۱۷۵۹ تھا۔ برٹش میوزیم میں موجود اس کے ایک نسخہ پر ۱۲۹۴/۱۸۷۷ کی تاریخ رقم ہے۔

ربقات الاسلام:

مولانا معزالدین کی لکھی ہوئی اس کتاب میں قاری پر اس بات کا زور دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے کرے۔ مثال کے طور پر ایک شعر ہے ''مسلمان اپنے ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے کرتا ہے۔''

مجموعۃ الخطاب:

اس کتاب کو اپنے زمانے میں یقیناً بڑی مقبولیت حاصل رہی ہوگی۔ اس میں منظوم خطبات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خاص مواقعوں جیسے عیدالفطر وغیرہ کے موقع پر پڑھی جاتی تھی۔ رمضان کی رخصتی کی مناسبت سے اس میں درج چند اشعار یوں ہیں:

''بڑے ہی پرلطف اور عجیب تھے رمضان کے وہ لمحات جو ہم سب نے مل کر گزارے۔ اے اچھے مسلمانوں، ہر مقام پر ہمیشہ اپنے رب کی رحمت اور بڑائی کو تلاش کرو''۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے پشتو بولنے والے علاقوں میں یہ کتاب بڑی ہی مقبول تھی[۲۲] اوپر جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا مقصد مسلمانوں کو اس بات پر تیار کرنا تھا کہ اسلام عملی طور پر ان کی زندگیوں میں نظر آئے یا پھر وہ کم از کم اس کا شعور ضرور حاصل کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ عام لوگوں تک یہ پیغام پہنچانے کی خاطر لکھنے والوں نے اعلیٰ طبقہ کی زبان فارسی کی بجائے عوام کی زبان پشتو کا سہارا لیا۔ اس حقیقت کی طرف راشدالبیان میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

''میں نے پشتو میں اسلامی تعلیمات کو بیان کیا ہے تاکہ ایک عام آدمی اس پیغام کو سمجھ سکے''

اس مضمون کے دائرہ میں عشقیہ کہانیاں اور اس نوعیت کی دوسری تحریریں شامل نہیں ہیں جنہیں عام لوگوں کی پسندیدگی حاصل تھی لیکن ان کا دستیاب ہونا بہرحال اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ لوگ اپنی مادری زبان میں لکھی ہوئی چیزوں کو پسند کرتے تھے۔

ان انتہائی لگے بندھے اور ٹھوس مذہبی اور رسمی دائرہ کار میں لکھی گئی ''پھیری کتابوں'' کے علاوہ دوسرے کئی چھوٹے چھوٹے کتابچے بھی موجود ہیں جنہیں نورنامہ، جنگ اور لحد نامہ کہتے تھے۔ انہیں ہم فی الحقیقت عام فہم اسلام کی عکاس بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان جنگ ناموں میں کربلا میں شہادت حسینؓ کے مشہور واقعات بیان کئے گئے ہیں جبکہ لحد ناموں میں مرنے کے بعد عام خیال میں قبر میں جو سوال جواب کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں ذکر کیا جاتا۔ ان کتابوں کو خواتین وحضرات کے سامنے بآواز بلند پڑھا جاتا تھا۔ اس طرح کی مثالیں بھی موجود ہیں کچھ عرصہ قبل تک پڑھی لکھی خواتین جنہیں بیبیاں کہا جاتا تھا وہ یہ کتابیں بچوں اور عورتوں کے مجمع کے سامنے اونچی آواز میں پڑھ کر سناتیں۔ چنانچہ اس بنیاد پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا عام مسلمانوں کے فہم اسلام پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہوگا۔

پنجابی

سندھی اور پشتو کی طرح پنجابی میں بھی اس طرح کی دینی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں اس مضمون میں سرائیکی اور براہوی کو بھی پنجابی کے دائرہ میں شامل کیا گیا ہے۔ مضمون نگار نے ان کتب کا قومی ادارہ برائے لوک ورثہ، اسلام آباد، برٹش لائبریری میں اور ٹینٹل اینڈ انڈیا آفس کولیکشن اور پنجاب لائبریری لاہور میں معائنہ کیا ہے۔ جبکہ اس طرح کے نسخوں پر مبنی کئی دوسری کتب کا برٹش لائبریری کی مختلف جدول بندی میں حوالہ دیا گیا ہے [۲۳] کرسٹوفر شیکل [۲۴] نے جن ۳۴ نسخوں کی جدول بندی کی ہے ان میں سے ۱۱ نسخے محمد یار کے قلم سے نکلے ہیں جو شاہپور ضلع سرگودھا میں واقع کوٹ کالا کا رہنے والا تھا۔ اس نے کتاب میں بعض مقامات پر اپنی زبان کو جھنگی کا نام دیا ہے۔ ایک گمان یہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ آج کے دور میں بولی جانے والی سرائیکی اور پنجابی کا شاید کوئی مرکب رہی ہو۔

محمد یار نے بظاہر اپنی سب سے پہلی کتاب ۱۷۸۲/۱۱۹۶ میں جبکہ آخری ۱۸۲۸/۱۲۴۴ کے آس پاس تصنیف کی۔ اس کی کتابیں پندنامہ، آفرینش نامہ، تحفۃ الفقہ اور بنا المومنین، اسلامی عبادات اور بنیادی عقائد سے متعلقہ ہیں جبکہ نافع الصلوۃ میں نماز کے فوائد کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ تذکرہ نگاری میں سہ حرفی حضرت پیر اور نافع القونین صوفیائے کرام اور تحفۃ السلوک، ترویج نامہ اور سہہ حرفی حضرت رسول مقبول میں حضرت محمدؐ کی سوانح کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ محمد یار کی یہ اور دوسری تمام کتب دینی موضوعات پر ہیں۔

ایک دوسرے بڑے مصنف مولوی عبداللہ عابدی (وفات ۱۰۷۴/۱۶۶۴) تھے جو ضلع ساہیوال کے علاقہ ملکہ ہانس میں پیدا ہوئے لیکن ان کا قیام لاہور میں رہا اور یہیں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی زبان میں ملتانی رنگ جھلکتا ہے جسے سرائیکی بھی کہتے ہیں۔ وارث شاہ نے ہیر رانجھا میں ان کی کتاب باران انواع کا حوالہ دیا ہے۔ شیکل طلباء کے لئے کتاب کی اہمیت کو یوں بیان کرتا ہے:

> عابدی کی تحریروں میں موجود جامعیت کے نمونے طلباء کے تدریسی طریقہ کار کے لئے ایک بڑا منفرد اور پراثر طریقہ فراہم کر دیا ہے۔ طریقہ ہائے کار کو کئی مرتبہ چھاپا بھی گیا ہے جو عموماً ۱۲ مقالات کی شکل میں باران انواع کے نام سے منظر عام پر آتے ہیں۔[۲۵]

اب آیئے باران انواع اور اس طرح کی دوسری کتابوں کا ایک جائزہ لیں جن کا طلباء اور پنجابی مسلمان دونوں مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ذیل میں ان چند نسخوں کا مختصراً حوالہ دیا جا رہا ہے جو راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

- **باران انواع:**

پنجابی شاعری میں عبداللہ عابدی لاہوری کی یہ کتاب خط نستعلیق میں ہے۔ (موجودہ فارسی اور اردو زبان کا رسم الخط) حسب روایت اس کا آغاز بھی حمد اور نعت رسول مقبولؐ سے ہوتا ہے جس کے بعد مصنف اسلامی عبادات جیسے وضو، نماز، روزہ اور خیرات وغیرہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں عام اور بالخصوص خواتین کے حوالے سے خاص طور پر طہارت کے مسائل مثلاً حمل، ماہواری اور طلاق وغیرہ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس کے دوسرے حصے میں مسعودی جیسے سکہ بند ماہرین کے حوالے سے تاریخی حکایات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ بہرحال ایک ضخیم کتاب ہے جس کا وارث شاہ نے ہیر رانجھا میں بھی حوالہ دیا ہے۔

فقہ اصغر:

یہ گجرات کے رہنے والے فقیر حبیب درزی ابن طبیب کی خط نسخ میں لکھی ہوئی تصنیف ہے۔ سیاہ سیاہی سے لکھی گئی اس کتاب کا تقریباً ہر صفحہ بارہ سطور پر مشتمل ہے۔ مصنف پنجابی شاعری میں اسلامی عبادات اور عقائد سے متعلقہ موضوعات کو زیر بحث لایا ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات فارسی میں ہیں۔

مقدمات الانوار:

خط نسخ میں تحریر کردہ اس کتاب کے مصنف عبدالفقیر ہیں۔ اس میں شادی، وراثت اور لباس وغیرہ کے موضوعات پر اسلامی تعلیمات یا نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب پنجابی شاعری میں ہے جبکہ ضمنی موضوعات کو فارسی میں عنوان دیا گیا ہے۔ مصنف کے خیالات انتہائی سخت اور انتہا پسندانہ ہیں۔ مثال کے طور پر وہ عورتوں کو دندانہ کرنے

کی بھی اجازت نہیں دیتا جو دانتوں کو صاف کرنے کے ساتھ ساتھ ہونٹوں کو سرخی عطا کرتا ہے۔

ذبح نامہ:

یہ بھی خط نسخ میں لکھی کتاب ہے۔ اس کے اس شعر سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ محمد شاہ کے دور (۱۷۱۹-۴۸) میں لکھی گئی۔ ۱۲۷۷/۱۸۶۰ میں اس کی ایک نقل بھی تیار کی گئی۔ کتاب جانوروں کی قربانی، شکار اور حلال وحرام گوشت میں تمیز کرنے کے اصولوں پر بحث کرتی ہے۔

انواع فقیر:

خط نسخ میں لکھی گئی اس کتاب کے مصنف غالباً فقیر حبیب ہیں۔ اس کے ذیلی عنوانات فارسی میں ہیں جبکہ اسے جہلم کے رہنے والے کسی شخص کرامت دین نے نقل کیا۔ اس پر مئی ۱۲۷۷/ ۱۸۶۱ کی تاریخ درج ہے۔ جبکہ اس کا موضوع بھی اسلامی عقیدہ ہی ہے۔ تاہم مصنف کا نقطہ نظر انتہائی سخت اور مصلحانہ ہے۔

انتخاب الکتاب: پنجابی نظم:

کتاب کے مصنف غالباً کمال الدین ہیں۔ تاہم اے کولیا کے رہنے والے نور احمد نے خط نسخ میں ۱۲۶۱/ ۷-۱۸۰۶ میں نقل کیا۔ اس کے ذیلی عنوانات فارسی میں ہیں جبکہ شاعری کی زبان میں غسل، نماز جنازہ، تدفین، اجتماعی عبادات، شادی، جانورں کی قربانی اور حلال گوشت کے تعین کے موضوع پر اسلامی تعلیمات کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مٹھی روٹی:

قادر بخش اس کے مصنف ہیں۔ پنجابی نستعلیق میں شائع شدہ نسخے پر ۱۸۸۳ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں بھی زندگی کے مختلف پہلوؤں بشمول مباشرت کے، پر اسلامی تعلیمات کی رو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں کئی مذہبی کتب کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ پڑھے لکھے اور عالم حضرات کے استفادہ کے لئے تحریر کی گئی تھی۔

نجات المؤمنین:

یہ ایک دینی مقالہ ہے جسے ضلع جھنگ کے مولانا عبدالکریم (۱۶۵۷-۱۷۰۷) نے (۱۰۸۶/ ۱۶۷۵) میں تحریر کیا۔

قصہ کماد:

اسے خط نستعلیق میں اشرف نے تحریر کیا۔ یہ بنیادی طور پر ایک تمثیلی نظم ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ گنے کو

کیسے کاٹا اور جمع کیا جاتا ہے۔

قصہ عمر خطابؓ:

اسے تخت ہزارہ کے حافظ معز الدین نے (۱۱۷۶/۶۳-۱۷۶۲) میں تحریر کیا۔ کتاب میں حضرت عمرؓ کے کافر بادشاہ تل کے ساتھ جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔

روشن دل:

گجرات کے فرد فقیر کی لکھی ہوئی اس کتاب کے بارے میں کرسٹو شیکل لکھتا ہے ''یہ اسلام پر پنجابی شاعری میں لکھی گئی معلوم عمدہ کتب میں سے ایک کتاب ہے''[۲۶]۔

ردالمبتعدین:

پنجابی شاعری میں تصنیف شدہ اس کتاب کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے۔ ۱۷۸۸ میں لکھی گئی اس کتاب میں کفر، شرک اور بدعت کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

انواع بارک اللہ:

یہ حافظ بارک اللہ (وفات۔ ۱۲۸۸/ ۱۸۷۱) کی کتاب ہے۔ یہ پنجابی شاعری میں حنفی مکتبۂ فکر کی رو سے اسلامی فقہ پر ایک شائع شدہ کتاب ہے۔ اس کا سن اشاعت غالباً ۱۲۵۴/ ۱۸۳۸ ہے اور اسے بعد میں کئی مرتبہ طباعت کے عمل سے گزارا گیا۔

اوپر جن نسخوں اور شائع شدہ کتب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی کئی بکھری کتابیں ہیں جن کے بارے میں جنوبی ایشیا اور دوسرے ممالک کے تحقیق کاروں نے لکھا ہے۔ جن میں سے بعض اوپر ذکر کیے گئے نسخوں کی مدد سے شائع بھی کی جا چکی ہیں۔ شہباز ملک جو پنجابی زبان کے ایک محقق ہیں نے اپنی ''پنجابی کتابیات'' میں ان کا ذکر بھی کیا ہے[۲۷] جبکہ پاکستان کی دوسری کتابیات میں بھی پنجابی نسخوں کا ذکر موجود ہے[۲۸]۔

ان کتب کو بظاہر دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولاً ایسی کتب جن کا مقصد مسلمانوں کو اپنے بنیادی عقائد کے بارے میں تعلیم دینا یا دوسرے الفاظ میں اس کا شعور اجاگر کرنا جبکہ ثانیاً ایسی کتب جو عشقیہ کہانیوں پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم کی کتابیں غالباً مولویوں کے قلم سے نکلیں۔ ان میں شریعت کے بارے میں ایک بڑے سخت نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایسی ایک کتاب پکی روٹی میں موسیقی کی اسی طرح ممانعت کی گئی ہے جس طرح کہ ہم جنس پرستی کی۔ جبکہ دوسری قسم کی کتابوں میں محبت بھری کہانیوں بلکہ بعض اوقات تو محبوب کے ساتھ رنگ رلیاں

منانے اور پینے پلانے کے واقعات کو بھی بغیر کسی ندامت کے بیان کیا جاتا ہے۔

براہوی اور بلوچی

آج ہمارے پاس براہوی میں جو سب سے قدیم کتاب موجود ہے اس کا نام ''خدمت دین'' ہے۔ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب غالباً ۱۶۹۳ میں لکھی گئی اور اس میں اسلامی تعلیمات اور ہدایات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں جادو اور اس سے حفاظت کے موضوع پر براہوی [۲۹] میں کتابیں لکھی جاتی رہیں تاوقتیکہ ملک داد قلاتی کی ایک اہم کتاب ''تحفۃ العجائب'' منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ اسے ۱۷۶۰ میں مکمل کیا گیا تاہم بدقسمتی سے اس کا قلمی نسخہ میسر نہیں ہے۔ اس کے شائع شدہ ایڈیشن پر ۱۸۸۲ کی تاریخ رقم ہے۔ بظاہر محسوس یوں ہوتا ہے کہ انگریزوں کی آمد تک بلوچی اور براہوی دوران تدریس بے شک ایک غیر رسمی ذریعہ کے طور پر استعمال تو ہوتی تھیں تاہم انہیں علمی کاموں اور دینی تبلیغ کے لئے استعمال کی جانے والی زبانوں کا درجہ حاصل نہ تھا۔ انگریزوں نے بادل نخواستہ دو وجوہات کی بناء پر ان زبانوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اولاً انہوں نے اس بات کا رسمی اہتمام کیا کہ وہ ان زبانوں میں اپنے افسروں کی صلاحیت کو جانچ سکیں اور ثانیاً انہوں نے عیسائی مشنریوں کو بھی اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ براہوی اور بلوچی میں بائبل کا ترجمہ کریں اور اس کو عام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس سے علماء میں تشویش کی ایک لہر پیدا ہوگئی کہ بلوچستان عیسائیت کے قبضہ میں چلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس خطرہ کے سدباب کے لئے انہوں نے بھی ان مقامی زبانوں میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس ضمن میں جو علماء سب سے زیادہ متحرک اور فعال تھے ان کے مکتبہ فکر کو مکتبۂ درخانی کا نام دیا گیا۔

اس تحریک کے بانی کا نام مولوی محمد فاضل (۱۸۲۳۔۱۸۹۶) تھا جو ڈاڑ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں درخان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں انہی کے نام پر اس تحریک کا نام بھی درخانی تحریک پڑ گیا۔ نادر قنبرانی کے مطابق محمد فاضل ابوالخیر سے متاثر تھے جن کے بلوچستان سے لے کر افغانستان تک کئی ایک مرید اور پیروکار تھے۔ قنبرانی کے دادا خود بھی ان کے مرید تھے۔ یوں اپنے مرشد کے بارے میں بیان کردہ کہانی ان کے خاندان میں سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی۔ ۱۸۷۰ میں ابوالخیر نے اپنی قیام گاہ دہلی سے افغانستان کا سفر کیا تاکہ وہ اپنے مریدین سے ملاقاتیں کرسکیں۔ کسی وجہ سے وہ کوئٹہ بھی تشریف لے آئے جہاں سے وہ تانگہ پر ڈاڑ گئے تاکہ محمد فاضل کو اس بات پر آمادہ کیا جاسکے کہ وہ مقامی افراد کے استفادہ کی خاطر براہوی اور بلوچی میں اسلامی کتب تحریر فرمائیں۔ محمد فاضل رضامند ہوگئے جس کے بعد سٹیم پریس لاہور میں بالعموم لکھی ہوئی اور طبع شدہ کتابیں دستیاب ہونا شروع ہوگئیں تاکہ انہیں درخان سے شائع کیا

جاسکے[۳۰]۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ کیا ان کتب کو مدارس میں رائج درس نظامی کے ساتھ ساتھ باقاعدہ طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ عام لوگوں کو انہیں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ عبداللہ جان جمال الدینی جو عہد حاضر میں بلوچی اور براہوی کے بانیوں میں سے ہیں، کے مطابق جب وہ بچے تھے تو انہیں 'درالماجدی' ترنم کے ساتھ سننے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ اس ضمن میں ایک نابینا شخص بازار میں خاص طور پر اپنی گائیکی کی وجہ سے بڑا مشہور ہوتا تھا۔ اسی طرح چند خواتین جو پڑھی لکھی ہوتی تھیں وہ بھی دوسروں کو کتاب پڑھ کر سنایا کرتی تھیں[۳۱] یوں مختصر طور پر ان کتابوں کی بدولت بلوچی اور براہوی میں تعلیم کے فروغ میں بڑی مدد ملی۔ یہاں یہ نقطہ بھی پیش نظر رہے کہ چونکہ اس دور میں زبان سیکھے۔ سکھانے کا کوئی باقاعدہ سلسلہ یا نظام نہیں ہوتا تھا اور لوگ محض اپنی ذاتی کوششوں سے یہ کتابیں سمجھنے کی کوشش کرتے چنانچہ اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رضا کارانہ طور پر کوئی زبان سیکھنے کی ایک بڑی بہترین مثال تھی۔

مکتبہ درخانی نے کل کتنی کتابیں چھاپیں، یہ معلوم کرنا ایک دقت طلب کام ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں اندازے اور چند نامکمل دستیاب فہرستوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ عبدالرحمٰن براہوی کے بقول ایک ہزار کتب براہوی اور صرف ۶۰ بلوچی[۳۲] زبان میں چھپی ہیں جبکہ شاہوانی نے اپنی تیار کردہ فہرست میں براہوی میں ۲۱۰ اور بلوچی میں ۹۱ کتب کا حوالہ دیا ہے[۳۳]۔ برٹش لائبریری کی چھوٹی زبانوں میں کتابوں کی جدول بندی (حصہ دوم) میں براہوی میں آٹھ جبکہ بلوچی میں کسی بھی کتاب کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ پاکستان میں مختلف مقامات پر مختلف فہرستیں موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی مکمل اور قابل بھروسہ نہیں ہے۔ یہاں یہ بات تو درست ہے کہ کوئی بھی فہرست حتمی اور مکمل نہیں ہے البتہ ان تمام فہرستوں میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ فی الوقت بلوچی کے مقابلہ میں براہوی میں زیادہ کتب دستیاب ہیں۔ یہ درست ہے کہ بڑی تعداد میں کتابیں ضائع بھی ہوگئیں جبکہ کئی ایک پھٹی پرانی کتابوں کی بے حرمتی سے بچنے کے لئے انہیں دفنا بھی دیا گیا[۳۴]۔ اگر اس نقطہ پر اتفاق کرلیا جائے تو یہ بھی قیاس کرنا پڑتا ہے کہ ان دفن شدہ کتابوں میں دونوں زبانوں کی کتب شامل ہوئی ہوں گی۔ یوں اس الجھن کو سلجھایا نہیں جاسکتا کہ آخر بلوچی میں کتابیں کم کیوں ہیں۔ الّا یہ کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ کم تعداد میں چھاپی گئی تھیں۔ راقم الحروف نے ان میں سے درج ذیل کتب کا بذات خود معائنہ کیا ہے۔

براہوی کتب

تحفۃ العجائب:

یہ ۱۸۸۸ کی طبع شدہ کتاب ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ براہوی نظم اسے ملک داد قلاتی نے ۱۷۶۰

میں رقم کیا تھا اور اس میں نماز، وضو اور دوسری اسلامی عبادات کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

شمائل شریف:

۱۳۵۵/۱۹۳۶۔۱۹۳۷ میں کوئٹہ میں چھاپی گئی براہوی نظم میں یہ کتاب مولانا عبداللہ درخانی نے لکھی۔ کتاب میں نبی مکرمؐ کے چہرہ انور، عادات و اطوار اور دوسری خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے عنوانات عربی زبان میں ہیں۔

شہد و شفاء:

براہوی شاعری میں اسے مستونگ کے عبدالماجد نے تصنیف کیا۔ عبدالباقی نے اسے کوئٹہ سے شائع کروایا تاہم اس کے علاوہ اس کی دوسری تفصیلات میسر نہیں ہیں۔ کتاب میں شاہ ابوالخیر دہلی والے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مکتبہ درخانی کے بانی تھے اور ان کی خوب تعریف بھی کی گئی ہے۔ کتاب کے بڑے حصہ میں نبی پاکؐ کی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ شادی اور ازدواجی زندگی کا حال بیان کیا گیا ہے جبکہ حضور پاکؐ کی شان میں کہی گئی براہوی غزل کو بھی اس میں جگہ دی گئی ہے۔

منفعت الاعوام:

اس کتاب کے مصنف غالباً محمد عمر ہیں۔ یہ 'نصیحت نامہ' پند و نصائح کا مجموعہ ہے۔ اس کے خاص مخاطب بے نمازی حضرات ہیں۔ اسے ۱۹۵۷ء میں مستونگ میں یا تو پہلی مرتبہ یا پھر دوبارہ شائع کیا گیا۔

تحفۃ الغرائب:

اسے مکتبہ درخانی کے ایک بڑے مانے ہوئے اور نمایاں مصنف مولانا نبو جان نے تحریر کیا اور اسے درخان میں ۱۸۸۸ میں زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا۔ اس میں بھی اسلام کے بنیادی ارکان جیسے نماز وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس کا ایک دوسرا ایڈیشن بھی ہے جو تحفۃ الغرائب اور تحفۃ العجائب کا مجموعہ ہے۔ اس کا عنوان ناصح البلوچ ہے اور اسے مُلّا نبو جان نے مرتب کر کے شائع کیا۔

عمدۃ البیان:

اسے بھی مُلّا نبو جان نے براہوی زبان میں لکھا تاہم اس کے ذیلی عنوانات فارسی میں ہیں۔ اسلام کے بنیادی ارکان اور عبادات اس کے موضوعات ہیں۔ یوں یہ بھی باقی کتابوں کی طرح ایک نصیحت نامہ ہی ہے۔ مصنف ان افراد کو بالخصوص متنبہ کرتا ہے جو ترک نماز اور اسلامی احکامات سے دوری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے نسخہ پر تاریخ درج نہیں ہے۔

درالماجدی:

اسے ملا عبدالماجد چوٹوئی (چوٹو مستونگ کے نزدیک کا ایک گاؤں ہے) نے براہوی نظم میں رقم کیا۔ اس میں حضرت یوسف اور زلیخا کے قصہ کے ساتھ ساتھ جنت دوزخ کا حال بھی بیان کیا گیا ہے اور برے لوگوں کو عذاب شدید سے اپنے آپ کو بچا لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عبداللہ جان جمالدانی کے بقول ان کے ایک رشتہ دار نے انہیں تنبیہہ کی تھی کہ اگر نماز میں اس کتاب سے چند اشعار تلاوت نہ کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید پکڑ ہوتی ہے۔ تاریخ کے اندراج کی جگہ بوسیدہ ہوچکی ہے تاہم غالباً یہ ۱۹۰۹ء ہے۔

معجزات مصطفیٰ:

براہوی نظم میں اس کتاب کے مصنف محمد عمر ہیں اور اسے عبدالغفور نے شائع کروایا ہے۔ راقم کے پاس اس کتاب کا جو ایڈیشن موجود ہے اس پر ۱۹۵۸ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی فتوحات اور دوسری مشہور اسلامی شخصیات کی شہادت کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ معراج شریف کے واقعہ کو بھی کتاب میں جگہ دی گئی ہے۔

تحفۃ الخلیل:

عبدالماجد چوٹوئی نے اسے براہوی نظم میں رقم کیا جبکہ عبدالغفار درخانی نے اسے کوئٹہ پریس سے شائع کروایا۔ اس میں نمرود، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے قرآنی واقعات بیان کئے گئے ہیں اور مسلمانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ ان پاکباز شخصیات کی سیرت کی پیروی کریں۔

سکراۃ نامہ:

عبدالماجد چوٹوئی اس کے مصنف ہیں اور یہ براہوی نظم میں لکھی گئی ہے۔ فنی لحاظ سے دراصل کتاب موت کے بارے میں خوف دلانے والی کتب کی ایک ذیلی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں محمد عمر دینپوری کی غزلیں بھی شامل ہیں۔ مندرجہ بالا نسخہ پھٹا پرانا اور بوسیدہ ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اس کی پرنٹنگ اور سال اشاعت معلوم نہیں کی جاسکتی۔

راغب المسلمین:

براہوی نظم میں محمد دینپوری کی یہ کتاب نبی مکرمؐ کی سیرت پاک کو بیان کرتی ہے۔ اس میں آپؐ کی حیات طیبہ، حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام اور اس طرح کے دوسرے پر اثر واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کا پہلا

اور آخری صفحہ غائب ہے اس لئے اس کی پرنٹنگ اور اشاعت کی تاریخ معلوم نہیں کی جاسکتی۔ عمر دینپوری براہوی زبان میں قرآن پاک کا اولین ترجمہ کرنے کی وجہ سے بھی مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کل ۴۸ کتابیں تصنیف کیں [۳۶]۔

قصص الانبیاء:

یہ بھی براہوی نظم میں رقم کتاب ہے جس کے مصنف میاں عبدالعزیز ہیں۔ اس پر سال اشاعت ۱۹۴۵ء اور اشاعت کنندہ کا نام مکتبہ درخانی درج ہے۔ کتاب میں قرآن حکیم میں موجود مختلف انبیاءؑ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جبکہ سفر معراج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں شہادت نامہ میں حضرت امام حسینؓ کی کربلا میں شہادت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے [۳۷]۔

نورالاسلام:

سیاہ روشنائی سے براہوی زبان میں لکھے گئے اس نسخہ پر ۱۳۵۰ھ کی تاریخ درج ہے جو عیسوی سال کے مطابق ۳۸۔۱۹۳۷ بنتی ہے۔ یہ حضرت محمدؐ اور قرآن حکیم میں مذکور دوسرے انبیاءؑ کی زندگی کے واقعات کو بیان کرتی ہے جبکہ آخر میں شہادت نامہ دیا گیا ہے۔

بلوچی کتب

صد پند لقمان حکیم:

اسے بلوچی زبان کے مشرقی لہجہ میں میاں حضور بخش جتوئی نے لکھا ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات فارسی میں ہیں۔ کتاب درحقیقت ایک 'نصیحت نامہ' ہے جس میں خاص طور پر ترک نماز پر عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اسے بلوچستان میں کوئٹہ پریس سے عبدالغفار درخانی نے شائع کروایا۔

ہدایت المسلمین:

بلوچی نظم میں لکھی گئی اس کتاب کے مصنف بھی میاں حضور بخش جتوئی ہی ہیں۔ یہ بھی ایک نصیحت نامہ ہے مگر اس میں بلوچوں کو بے شرم ہونے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے حتیٰ کہ بعض حصوں میں ان پر بزدلی کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ اس شدید تنقید کے ذریعے مقصود شاید بلوچ سرداروں کا انگریز حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتا کر لینا تھا۔

ردّ شیعہ:

حضور بخش جتوئی ہی کی بلوچی میں لکھی گئی یہ ایک اور کتاب ہے۔ اس پر تاریخ تو درج نہیں ہے البتہ آخری

صفحہ پر ۱۳۳۵ ہجری درج ہے جو عیسوی کیلنڈر کے مطابق ۱۹۳۶-۱۹۳۷ء بنتی ہے۔ اس میں نبی پاک کی سیرت طیبہ کو جبکہ صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۱۴۶ یعنی کتاب کے اختتام تک شیعہ عقائد پر بحث کر کے انہیں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

اصولِ صلوٰۃ:

بلوچی نظم میں رقم حضور بخش جتوئی کی اس کتاب کو ۶ فروری ۱۹۴۴ء کو ملٹری پریس کوئٹہ سے مکتبہ درخانی نے شائع کروایا۔ تاہم عبدالرحمٰن براہوی کے نزدیک یہ کتاب اصلاً ۱۳۱۸/۱۹۰۰-۱۹۰۱ میں لکھی گئی لیکن اس کا قلمی نسخہ غائب ہو گیا[۳۸]۔ کتاب کے بڑے موضوعات میں اسلامی عبادات اور بنیادی اصول ومبادی جیسے نماز، وضو اور جسمانی طہارت وغیرہ کے طریقے شامل ہیں۔

خلاصۂ قاعدانی:

یہ ایک عربی کتاب کا بلوچی میں ترجمہ ہے۔ اس کا سال اشاعت ربیع الاول ۱۳۵۷ ہجری بمطابق مئی ۱۹۳۸ء ہے۔ عربی متن جلی حروف میں جبکہ فاضل محمد کے بلوچی ترجمہ کو اس کے نیچے دیا گیا ہے۔ اس کے موضوعات اسلامی عقائد اور عبادات ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی کئی دوسری کتابیں موجود ہیں جنہیں محققین کی ذاتی لائبریریوں میں دریافت کیا جاسکتا ہے۔ مضمون ہذا میں برٹش لائبریری میں موجود آٹھ نسخوں میں سے صرف ایک نسخہ تحفۃ الغرائب وتحفۃ العجائب کا حوالہ دیا گیا ہے جس کے مصنف نبو جان ہیں۔ باقی نسخوں کو ہم دینی کتب کے ضمرے میں شامل کر سکتے ہیں۔ گو کہ ان میں سے ایک میں غزلیں بھی شامل ہیں جبکہ دوسری طب کے موضوع پر ہے۔ براہوی میں کتب کی ایک بہترین فہرست عبدالرحمٰن براہوی کی شائع شدہ کتاب اور پی ایچ ڈی کے غیر شائع شدہ مقالہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں میں چند بلوچی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے[۳۹]۔ اگر کسی شخص کو ان تمام کتابوں کو پڑھنے کا موقع نہ بھی ملے تو تو بھی وہ ان کے موضوعات اور نفسِ مضمون کے بارے میں ایک رائے قائم کر سکتا ہے کیونکہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ان کتابوں کے موضوعات دینی ہوتے تھے اور ان کے پیشِ نظر مقصد بلوچ عوام تک اسلام کی تعلیمات پہنچانا تھیں۔ ان کتابوں میں کٹر سنی مکتبہ فکر کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بلوچ علماء کے نزدیک بلوچستان کو سنی عقائد کے نفاذ کے ذریعہ ہی غیر مقلدانہ نظریات کا شکار ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔ ان کی رائے میں یہ خیالات داخلی اور بیرونی دونوں ذرائع سے پروان چڑھائے جانے کی کوشش کی جارہی تھی۔ داخلی سطح پر ان کا اشارہ ذکری فرقے کی طرف تھا جن کے خیالات کو سنی علماء غیر اسلامی قرار دیتے تھے[۴۰]۔ ذکریوں کے نزدیک فرض نمازیں اب منسوخ ہو چکی تھیں جبکہ اس کے بالکل برعکس بلوچی اور براہوی میں ان پر بڑا شدید زور تھا۔ یوں اس طریقہ سے اس داخلی چیلنج کا مقابلہ کیا گیا۔

بیرونی خطرہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں عیسائی مشنریوں کی طرف سے تھا جو بلوچیوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ درخانی تحریک کا مقصد عیسائی مشنریوں اور ذکریوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہ تحریک درحقیقت آزاد خیالی اور جدیدیت کے خلاف ایک ردعمل تھی جو علماء کرام کے نزدیک مسلمانوں اور عیسائیوں میں اپنی اپنی برتری قائم کرنے کی جدوجہد کا درحقیقت ایک تسلسل ہی تھی۔ مگر ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ بلوچی اور براہوی میں یہ یا دوسری کتب مدارس میں رائج نصاب کا باقاعدہ حصہ تھیں تاہم اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ وہ غیر رسمی طور پر یہاں ضرور پڑھائی جاتی ہوں گی۔ قرآن حکیم کے دستیاب ترجمہ غالباً دلچسپی رکھنے والے طلباء یا اساتذہ کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ اسی طرح درس نظامی کی کچھ کتب کو بھی بلوچی میں ترجمہ کیا گیا۔ مثال کے طور پر قطب الدین محمد بن غیاث الدین کے رسالہ کا بلوچی میں ''نماز فرائض'' کے عنوان سے حضور بخش جتوئی نے ترجمہ کیا[۴۱]۔ اس طرح درس نظامی میں ہی عربی گرائمر پر ایک معرکۃ الآرا کتاب میزان الصرف کا قاضی عبدالصمد سربازی نے بلوچی میں ترجمہ کیا[۴۲]۔ براہوی میں اسی طرح کی کتب جیسے ''صورۃ الصلوٰۃ'' اور ''کنز المصلی'' کے ترجمے بھی موجود ہیں۔ آخر الذکر کتاب مدارس میں پڑھائی جانے والی طہارت اور اسلام کے بنیادی احکامات پر ایک بڑی مشہور عربی تصنیف ہے جس کا مولانا عبداللہ درخانی نے ترجمہ کیا تھا[۴۳]۔ یہ کتاب بعد میں سامنے آنے والی کتابوں کے لئے ایک ماڈل کا درجہ رکھتی ہے۔ بہرحال مدارس کے نصاب میں شامل کتب کے ترجمہ کا دستیاب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ مادری زبان کو تدریس کے لئے غیر رسمی طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اساتذہ یہ تراجم اپنے طلباء اور اساتذہ کو فراہم کیا کرتے تھے۔

دینی کتب کے معاشرہ پر اثرات

جیسا کہ ہم اس مضمون میں ذکر کرتے آئے ہیں کہ ان کتب کو غالباً بلند آواز سے لوگوں کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اس لئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہوگی کہ انہوں نے معاشرہ کے ان پڑھ اور نیم خواندہ افراد پر اپنے اثرات مرتب کئے ہوں گے۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ کتب کئی اقسام کی تھیں۔ ایک قسم کی کتب جنہیں رہنمائے شریعت کتب کا نام دیا جاسکتا تھا میں شریعت کے بنیادی قوانین جیسے طہارت کے احکامات، نماز، روزہ، تدفین، وراثت کی تقسیم، شادی اور زندگی کے دوسرے معاملات کے بارے میں بحث کی جاتی تھی جبکہ دوسری قسم کی کتابوں میں عظیم شخصیات جیسے انبیاءؑ قرون اولیٰ کی نمایاں مسلم شخصیات اور صوفیائے کرام وغیرہ کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا تھا۔ ان میں قدیم اور افسانوی اسلامی کائناتی تصور کو بھی بیان کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں عظیم مسلم شخصیات کو مافوق الفطرت شخصیات کی شکل میں پیش کیا جاتا جو طاقت اور توانائی میں بے مثال ہوتے۔ اس طرح نظام کائنات میں غیر مرئی طاقتوں کی مداخلت اور کردار کو عام طور پر ہر کہانی میں بڑے زوردار انداز میں بیان کیا جاتا۔ کہانیاں عموماً نظم میں

ہیں جن میں مجموعی تاثر کو عموماً صوتی اثرات کے زیر اثر دبا دیا جاتا ہے۔ مختصراً دنیا کو مکمل طور پر افسانوی انداز میں پیش کیا جاتا ہے جہاں قوانین، اگر وہ کہیں ہوں بھی تو، کو مکمل طور پر سحر انگیز شخصیات، معجزوں اور جادو وغیرہ کے ہاتھ میں کھلونا بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح کی کائنات میں نجات اور روزمرہ مسائل کا حل شرعی احکامات کی بجا آوری میں کم اور روحانی طور پر پہنچے ہوئے لوگوں کی خوشنودی میں زیادہ دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عام لوگ پیروں اور بزرگوں کی شفاعت کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ وہ مشہور بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرتے اور معروف طریقہ کے مطابق مقدس دن مناتے[۴۴]۔ اللہ کی رحمت کے حصول کے لئے نور ناموں، جنگ ناموں اور وفات ناموں میں سے کچھ کو ترنم سے پڑھتے۔ ان کتابوں میں بیان کردہ قصے زبان زد عام و خاص ہوتے تھے جن سے یہ پیغام ملتا تھا کہ اس دنیا کا نظام کسی اخلاقی ضابطہ اور اصول کے تحت رواں دواں نہیں ہے۔ یوں وہ عام لوگوں کو ایک لحاظ سے مروجہ ظالمانہ، غیر انسانی اور بے رحم نظام کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے پر آمادہ کرتیں۔ بہر حال ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس معاشرہ میں ایک عام آدمی دیہات میں رہتا ہے جس میں بالادستی متلون مزاج جاگیرداروں کو حاصل تھی جو انتہائی ظالم اور جابرانہ طریقہ سے حکمرانی کرتے۔ دوسری طرف اعلیٰ ترین سطح پر بھی حکمرانوں کا انداز حکمرانی اس سے چنداں مختلف نہیں تھا۔ یوں اس سماج میں کسی باضابطہ، منطقی اور ٹھوس بنیادوں پر قائم انداز حکمرانی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ بعینہٖ موسمی بارش پر منحصر فصل کے اچھا یا خراب ہونے کی بھی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہوتا یوں تھا کہ جب بارش بروقت ہو جاتی تو فصل بھی اچھی ہوتی جبکہ دوسری صورت میں گاؤں والوں کو بھوکا رہنا پڑتا۔ مختصراً یہ کہ زندگی بڑی مشکل اور تلخیوں سے بھرپور تھی۔ معاملات کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ہو نہیں رہے تھے۔ بس یہ کوئی معجزہ ہی ہوتا تھا جس کی بناء پر زندگی کی گاڑی چلتی رہتی ورنہ ہر ایک خود کو بڑا غیر محفوظ اور بے آسرا سمجھتا۔

عوامی سطح پر معروف دینی کہانیاں بھی اسی تصور حیات کو مزید راسخ کرتیں۔ ان کے ذریعہ درحقیقت لوگوں کو یہ یقین یا دوسرے الفاظ میں قلبی سکون میسر آ جاتا کہ یہ سب تقدیر کے اٹل کھیل ہیں جن سے کسی کو مفر نہیں اور وہ ہو کر ہی رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو حادثات سے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم کرتے کیونکہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ مزید برآں یہ انہیں تفریح کا سامان بھی میسر کرتے جو اس دور میں ایک جنس نایاب تھی۔ اس ضمن میں شاعری میں عشقیہ کہانیوں کی صورت میں کچھ دوسرے سامان جیسے لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، سسی پنوں اور مرزا صاحباں کے قصے بھی تھے۔ تاہم وہ اس مضمون کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہیں۔ ان کہانیوں کی مجازی معنوں میں بھی تشریح کی جاتی البتہ عام دیہاتی اسے عشق و محبت کی داستان کے طور پر ہی لیتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے۔ ان سے متعلق دیگر

کہانیاں، گیت، مقولے، لطیفے، پہیلیاں بھی موجود تھیں جن میں سیکولر سوچ تھی اور جن کا مقصد تفریح کو فروغ دینا تھا۔ جن کے ذریعے گاؤں میں لوگ تھکا دینے والی لمبی شامیں گزارتے۔ تاہم یہ تمام تفصیلات بھی اس مضمون کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔

چنانچہ اگر ایک طرف مشہور دینی کہانیاں لوگوں کو جادو ٹونوں سے تحفظ فراہم کرتیں تو دوسری طرف رہنمائے شریعت کتابیں انہیں دین کا فہم عطا کرتیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ بظاہر محسوس یوں ہوتا ہے کہ مؤخرالذکر کتابیں علماء اور زیادہ تر مولویوں اور وہ بھی انتہاء پسند دیہاتی ملاحضرات نے لکھیں تاکہ عوام ان دینی تعلیمات سے آگاہ ہوسکیں۔ جو دوسری صورت میں صرف عربی اور فارسی زبان میں میسر تھیں۔ ان میں سے کئی کتابوں کے دیباچوں میں مصنفین نے خود بھی اس مقصد کو ان کتابوں کی تخلیق کا باعث قرار دیا ہے۔

مضمون میں ہم نے اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ دینی موضوعات پر اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کتابوں کی اشاعت میں خاص طور پر بڑی تیزی دیکھنے میں آئی۔ یہ محض کوئی اتفاق نہیں ہے۔ غور کیا جائے تو یہ وہ زمانہ تھا جب مغلوں کا دور زوال اور انگریزوں کا دور عروج شروع ہو چکا تھا۔ اس تناظر میں علماء کرام کو ضرور اس بات کا احساس ہوا ہوگا کہ چھن جانے والے اقتدار اور طاقت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انہیں مسلمان قوم کو اپنے دین کی اساس کی طرف واپسی لانا ہوگا۔ لیکن دوسری طرف مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ایک عام مسلمان آس پاس کے ہندوؤں اور سکھوں کے اس قدر زیر اثر آ چکا تھا کہ پہلے اسے پھر سے اپنے دین کا شعور دیا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ علماء کرام نے محسوس کیا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ عام افراد تک دین کی بنیادی تعلیمات کی رسائی کو ممکن بنایا جائے۔

اس سلسلہ میں انگریزوں کے دور میں رہنمائے شریعت کتب بڑی مفید اور کامیاب ثابت ہوئیں، اس ضمن میں سب سے بڑی مثال مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سخت گیر حنفی تصور اسلام پیش کرنے والی کتاب ''بہشتی زیور'' تھی جس کے ذریعہ شریعت کا پیغام دوسری صورت میں عام زندگی سے کٹ کر رہنے والی شمالی ہندوستان اور پاکستان کی خواتین تک بھی پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں جب پرنٹنگ پریس عام ہوگیا تو مسلمان مصلحوں نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور عام افراد تک اسلامی تعلیمات پہنچانے کی غرض سے ہزاروں ''پھیری کتابیں'' چھاپنا شروع کر دیں۔ پرنٹ میڈیا کو مسلمانوں نے کس خوبی سے استعمال کیا، اس بارے میں فرانسس رابنسن نے برصغیر کے مسلمانوں پر پرنٹ میڈیا کے اثرات پر اپنے شاہکار مضمون میں لکھا ہے کہ مسلم امہ کا تصور اسی میڈیا کا رہین منت ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

> ''درحقیقت پان اسلامی تحریک اور پریس کے قیام کے درمیان ایک بڑا گہرا اور جنیاتی تعلق ہے۔ یہ ویسا ہی تعلق ہے جو بنڈکت اینڈرسن نے جدید یورپ کے ابتدائی دور میں پرنٹ کیپٹیل ازم کی ترقی

اور قومی بیداری میں نوٹ کیا تھا۔[۴۵]

لیکن امہ کے حوالے سے اینڈرسن نے جو بات کی ہے وہ اپنی جگہ درست نہیں ہے۔ یہ تصور گو ایک بہت ہی تصوراتی اور نظری طور پر موجود تھا۔ لیکن اس سے ایک معدودی جماعت کی وابستگی ضرور تھی۔ علاوہ ازیں یہ ایک مذہبی مسئلہ بھی تھا جس کی بنیاد مشترکہ عقیدہ تھی۔ تاہم عملی طور پر مسلمان چھوٹی چھوٹی بستیوں یا کمیونیٹیز میں رہتے تھے۔ اور ان کا اس سے باہر کی دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ پان اسلامی تحریک کے فروغ نے مسلمانوں میں اس خیال کو پروان چڑھایا کہ وہ ایک ہی کمیونٹی سے متعلق ہیں اور ان کے دکھ درد مشترک ہیں۔ اس چیز نے انھیں ایک نئی تقویت بخشی۔ مزید برآں یہ خیال یا نقطہ نظر نے بعد میں دین کے ساتھ ساتھ سیاسی اور تاریخی جہتیں بھی اختیار کر لیں۔ میڈیا کے ذریعہ دنیا کے دوسرے حصوں میں آباد مسلمانوں کے بارے میں بھی خبریں موصول ہونے لگیں جن میں کم از کم یہاں کا طبقہ اشرافیہ ضرور اپنے ردعمل کا اظہار کر سکتا تھا۔ یوں عملاً پرنٹ میڈیا نے اس شعور اور تشخص کی بیداری میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

ہمارے آج کے پاکستان میں بھی رہنمائے شریعت کتب موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر اردو میں ہیں کئی دینی جماعتیں جیسے ''تبلیغی جماعت[۴۶]'' اور ''الھدیٰ'' انھیں چھاپتی ہیں جبکہ مستوسط طبقہ کے مسلمانوں میں کلاسک کا درجہ رکھنے والی بہشتی زیور اب بھی پڑھی جاتی ہے[۴۷]۔ سندھی میں بھی اس طرح کی کتب دستیاب ہیں تاہم پنجابی میں وہ محض چند ایک ہی ہوں گی۔ البتہ پشتو میں ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ان میں سے طالبان کے آنے کے بعد حال ہی میں کچھ افغانستان میں بھی چھاپی گئی ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد پنجابی، سرائیکی، بلوچی اور براہوی میں خاصی کم ہے۔ جن پھیری کتابوں، کی شائع شدہ کاپیاں دستیاب ہیں وہ اوپر بیان کی گئی کتابوں کے درحقیقت نئے پرنٹ ہیں۔ مثال کے طور پر پنجاب یونیورسٹی نے پنجابی میں ایم اے کرنے والوں کے لیے 'پکی روٹی' لازم کر دی ہے۔ بہر حال مختصراً پاکستان میں اردو میں اس نوعیت کی کتابوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اردو، پنجابی، سرائیکی، پشتو، سندھی اور حتیٰ کہ پاکستان کی محض چھوٹی چھوٹی زبانوں (مثال کے طور پر ایسی زبانیں جنھیں ایک فیصد سے بھی کم لوگ بولتے ہیں)۔ میں بھی دینی موضوعات پر کتب دستیاب ہیں۔ ان زبانوں میں سے پنجابی، سرائیکی، بلوچی، براہوی اور دوسری چھوٹی زبانوں کو محض اختیاری مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ پشتو کو البتہ سرحد کے بعض علاقوں کے پرائمری سکولوں میں تدریسی میڈیم کا درجہ حاصل ہے۔ دوسری صورتوں میں یہ محض ایک اختیاری مضمون کی صورت میں پڑھائی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرکاری عدم توجہی اور حوصلہ شکنی کے باوجود لوگ اپنی مادری زبانوں میں ان پھیری کتب کو پڑھنے کی

خاطر اپنی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کتب میں دیے گئے نظریات اور ان کے پڑھنے والوں کے نظریات میں ایک بڑی ہم آہنگی ہو جو اپنی نوعیت میں پرانے جدید خیالات سے دور اور رومانوی انداز فکر لیے ہوئے ہے جو آج کی جدید دنیا کے نئے تصورات جیسے شہر، دفاتر، فیکٹریوں بیوروکریسی فوج اور دوسرے جدید اداروں سے بعد المشرقین رکھتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ ادارے بہر حال نو آبادیاتی دور میں پروان چڑھے، ان کی زبان بدیسی ہے اور ان میں کام کرنے والے افراد کی حیثیت محض مشینی غلام سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں جس پر اوپر سے کام لاد دیا جاتا ہے۔ المختصر یہ کتابیں کچھ دیر کے لیے ہی سہی انھیں اس دور اور کلچر سے جوڑ دیتی ہیں جو دم توڑ رہا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ تعلق قائم کر کے خوشی اور سکون محسوس کرتے ہیں۔

اختتامیہ

اٹھارویں اور انیسویں صدی برصغیر میں مسلمانوں کی کمزوری اور سیاسی زوال کا زمانہ تھا۔ اس مشکل وقت میں حالات کے چیلنج کا شاید ایک جواب دینی کتب کی لوگوں کی مادری زبان میں اشاعت تھی۔ جن علما نے شریعت پر مقامی مادری زبانوں میں کتابیں لکھیں، ان کا مقصد شاید لوگوں کو دین کا شعور اور فہم عطا کرنا تھا۔ عظیم مسلم شخصیات کی کہانیوں کے ذریعہ مسلمانوں کو مشکل اور تکلیف دہ حالات سے ہم آہنگ ہونے کی تلقین کی جاتی۔ اسی طرح کی کتابیں اب بھی مقامی زبانوں میں لکھی جا رہی ہیں تاہم شریعت پر کتابیں زیادہ تر اردو اور سندھی زبان میں رقم کی جا رہی ہیں۔ اس پورے عمل کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا اس لیے بھی مفید ہے کہ اس سے ہمیں پاکستان کی مقامی زبانوں کے یہاں کے عوام میں اسلامی شناخت پیدا کرنے کے عمل میں کردار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پاکستانی مدارس میں پڑھائی جانے والی لسانی نصابی کتب کی مختصر فہرست کے لئے دیکھیے، طارق رحمٰن "The Teaching of Arabic to the Muslims of South Asia", Islamic Studies، ۹۳:۳، خزاں ۲۰۰۰ء، ۳۹۹۔۴۴۳، تفصیلات کے لئے دیکھئے، محمد حنیف گنگوہی، ظفر المحاصلین بہ احوال المصنفین، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ۱۹۶۹ء۔

۲۔ مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیاء کرام کا کام، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۷۹ء، مزید دیکھئے، Annemarie Schimmel، Mystical Dimension of Islam، The University of North Carolina Press، 1975، 385۔

۳۔ حافظ محمود شیرانی، مقالات حافظ محمود شیرانی، مرتب، مظہر محمود شیرانی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء)، ۲، ۲۰۷-۲۴۷۔

۴۔ Rama Lajwanti Krishna, Panjabi Sufi Poets, A.D. 1460-1900 (Karachi: Indus Publications, 1977); Annemarie Schimmel, Sindhi Literature (Wiesbaden: Otto Harrasowitz, 1974); R.S. Bhatnagar, Mysticism in Urdu Poetry (New Delhi: Department of Islamic Studies, Jamia Hamdard, 1995); Tariq Rahman, ed., Mystic Poets of Pakistan (Islamabad: Academy of Letters, 1995).

۵۔ William L. Hanaway and Mumtaz Nasir, Chapbook Publishing in Pakistan", in william L. Hanaway and Wilma Heston, eds., Studies in Pakistan Popular Culture (Islamabad: Lok Virsa Publishing House, 1996), 343-615.

۶۔ ایضاً، ۳۶۰-۶۱۔

۷۔ ایضاً، ۴۵۵-۶۱۵۔

۸۔ Christopher Shackle, Comp., Catalogue of the Punjabi and Sindhi Manuscripts in the India Office Library (London: The British Library, 1977).

۹۔ B.H. Ellis, "Report on Education in Sindh in Nabi Bakhsh Baloch, ed., Education in Sind Before the British Conquest and the Educational Policies of the British Government: Based on Two Contemporary Reports (Hyderabad: University of Sindh, 1971), vii.

۱۰۔ خدیجہ بلوچ، ایڈیٹر، ابوالحسن جی سندھی (حیدرآباد: سندھی نیشنل اتھارٹی ۱۹۹۳ء)

۱۱۔ J. F. Blumhardt, Catalogues of Hindi, Punjabi, Sindhi and Pashto Books in the Library of the British Museum (London: Kegan Paul, Trench,

Trubner, Quaritch, Green and Co, and Longmans, 1893).

۱۲۔ نبی بخش بلوچ، ایڈیٹر، سندھی بولی جو آ گاٹھو منظوم ذکر یو (حیدر آباد: سندھی لینگویج اتھارٹی، ۱۹۹۳ء)

۱۳۔ For his biography see Frank Mc. Lynn, Burton: Snow upon the Desert (London: John Murray, 1990).

۱۴۔ Richard Burton, "Muslim Education in Sind", in N.B. Baloch, Education in Sind, 47-48.

۱۵۔ See J. F. Blumhardt and D. N. Mackenzie, Catalogue of Pashto Manuscripts in the Libraries of the British Isles (London: The Trustees of the British Museum and Commonwealth Relations office, 1965).

۱۶۔ Zalme Hewadmal, Pah Hind ke da Pakhto Jabe au Adbiyato da Ijad au Paravune (Pashto: The History of Pashto Literature in India) (Lahore: Published by Ahmad Musa Afghan, 1994), 19-20.

۱۷۔ H.M. Elliot, ed., John Dowson, (نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری (فارسی سے ترجمہ اشاعت اول ۱۸۷۱ء، زیر استعمال، (سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۵ء)، ۲:۱۱۹۔

۱۸۔ W. L. Hanaway and Brian Spooner, Reading Nastaliq: Persian and Urdu Hands From 1500 to the Present (Costa Mesa, California: Mazda Publishers, 1995), 3.

۱۹۔ سید تقویم الحق، پشتو میں تعلیمی اور تدریسی کام، بحوالہ، این نواز طاہر، (مرتب) صوبہ سرحد پر پہلی لسانی اور ثقافتی کانفرنس کے مقالات کا مجموعہ، پشاور، پشتو اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، ۱۴۳۔ مزید دیکھئے، این نواز طاہر، پرائمری اساتذہ کے لئے گائیڈ (پشتو)، پشاور، (پرائمری نصابی کتب کے ترجمہ کا پراجیکٹ: ۱۹۹۰ء)، ۸۔

۲۰۔ بایزید انصاری کی آراء کی تفصیل جاننے کے لیئے دیکھئے، J. Leyden "On the Roshaniah Sect and Its Founder Bayazid Ansari"، مطبوعہ ایشیاٹک ریسرچز، XI، ۱۸۱۰۔ مزید تفصیلات کے ساتھ اشاعت دوم کی گئی اس کے لئے دیکھئے، طارق احمد، Religio-Political Ferment in the North

(The Raushaniya Movement) ، West Frontiers During the Moghal Period
نئی دہلی، ادارۂ ادبیات دلی، ۱۹۸۲ء۔

۲۱۔ Robert Nichols, Settling the Frontier: Land, Law and Society in the Peshawar Valley, 1500-1900. کراچی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۱ء، ۳۲۔ درویزہ کی کتب کی تفصیل کے لئے دیکھئے، J.F. Blumhardt, Catalogue of the Marathi, Gujarati, Bengali, Assamese, Oriya, Pushtu and Sindhi Manuscripts in the Library of the British Museum، لندن، دی برٹش میوزیم، ۱۹۰۵ء، (پشتو باب)

۲۲۔ امین نواز طاہر، داپرائمرے استاذ نو، راہنما گائیڈ، ۱۱۔

۲۳۔ J.F. Blumhardt, Catalogues of Hindi, Punjabi, Sindhi and Pashto Books in the Library of the British Museum؛ قاضی محمود الحق، Handlist of Urdu and Punjabi Manuscripts، لندن، دی برٹش لائبریری، ۱۹۹۳ء؛ ایس قریشی (مؤلف) Catalogue of the Urdu, Punjabi, Pasto, and Kashmiri Manuscripts and Documents in the India Office Library and Records، لندن، دی برٹش لائبریری، ۱۹۹۰ء؛ Christopher Shachle, Catalogue of the Punjabi and Sindhi Manuscripts in the India Office Library.

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً، ۳۹۔

۲۶۔ ایضاً، ۴۶۔

۲۷۔ شہباز ملک، (مرتب)، پنجابی کتابیات (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء)۔

۲۸۔ دیکھئے تفصیلی فہرست مخطوطات متفرقہ، لاہور، پنجاب پبلک لائبریری، ۱۹۶۴ء؛ مفصل فہرست مخطوطات، جلد ۲، لاہور، لاہور میوزیم، ۱۹۷۱ء؛ A Descriptive Catalogue of Persian, Urdu and Punjabi Manuscripts in the Library of Prof. Dr. Maulvi Muhammad Shafi, (Lahore: 1972); Khoj Special Issue on Manuscripts (1982).

۲۹۔ عبدالرحمٰن براہوی، براہوی زبان اور ادب کی مختصر تاریخ، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۴ء۔

۳۰۔ ڈائیریکٹر شعبہ مطالعہ پاکستان، بلوچستان یونیورسٹی سے انٹرویو، یکم جولائی ۱۹۹۹ء، کوئٹہ۔

۳۱۔ راقم کا بلوچستان یونیورسٹی سے براہوی اور بلوچی کے ریٹائرڈ پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی سے ۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو کوئٹہ میں انٹرویو۔

۳۲۔ عبدالرحمٰن براہوی، بحوالہ سابقہ، ۹۵، اور راقم کا بلوچستان ہائی کورٹ کے رجسٹرار ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی کا کوئٹہ میں ۸ جولائی ۱۹۹۹ء کو انٹرویو۔

۳۳۔ عبدالقادر شاہوانی، مکتبہ درخانی (براہوی) تاور (جون)، ۶۰۔۷۶ (دیکھئے صفحہ ۶۳)۔

۳۴۔ عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں دینی ادب، غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو) ۱۹۸۷ء، xxix۔

۳۵۔ عبداللہ جمالدینی، انٹرویو، ۷ جولائی ۱۹۹۹ء۔

۳۶۔ عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں دینی ادب، ۱۱۶۔۱۱۷۔

۳۷۔ واقعہ کربلا پر ایک عمدہ تبصرہ کے لئے دیکھئے، ایس۔ایچ۔آر، جعفری، The Origins and Early Development of Shia Islam، کراچی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۱ء، باب ہفتم۔

۳۸۔ عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں دینی ادب، ۲۸۶۔

۳۹۔ ایضاً، ۲۸۵۔۸۶۔

۴۰۔ Inayatullah Baloch, 'Islam, the State, and Identity: The Zikries of Balochistan', in Paul Titus, ed., Marginality and Modernity: Ethnicity and Change in Past Colonial Balochistan (Karachi: Oxford University Press, 1996), Chapter 9.

۴۱۔ عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں دینی ادب، ۲۸۶۔

۴۲۔ ایضاً، ۱۰۳۶۔

۴۳۔ ایضاً، ۲۹۲۔

۴۴۔ ہندوستانی مسلمان کے کلچر پر صوفیا کے اثرات کے لئے دیکھئے، ایم مجیب، Indian Muslims، (نئی دہلی، منشی رام منوہر لال، ۱۹۸۵ء)، ۱۴۹۔۱۵۰۔ اسے ۱۹۶۷ء میں پہلی مرتبہ شائع کیا گیا۔

۴۵۔ Francis Robinson, "Islam and the Impact of Print in South Asia", in Nigel Crook, ed., The Transmission of Knowledge in South Asia (Delhi:

Oxford University Press, 1996), 74.

۴۶۔ Barbara D. Metcalf, Meandering Madrassas, Knowledge and Short-term Itinerancy in the Tablighi Jama'at, in Nigel Crook, The Transmission of Knowledge in South Asia, 53-54. Also see B. Metcalf, "Living Hadith in the Tablighi Jama'at", in Journal of Asian Studies (August 1993).

۴۷۔ Barbara D. Metcalf Trans. and ed., اس کا جزوی انگریزی ترجمہ بھی دستیاب ہے، دیکھئے، Perfecting women: Maulana Ashraf Ali Thanawi's Bihishti Zewar (Berkeley: The University of California Press, 1991).